[redacted]

11

میری تمام سرگزشت............

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

[شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے بارے میں اگر کہا جائے کہ وہ اس وقت برصغیر کے سب سے بڑے جلیل القدر استادِ حدیث ہیں تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ ان کا صرف صحیح بخاری شریف پڑھانے کا عرصہ نصف صدی پر مشتمل ہے ملک اور بیرون ملک کے بڑے بڑے شیخ الحدیث آپ کے تلامذہ کے حلقے میں شامل ہیں، حضرت نے اپنی سوانح زندگی املا کرانا شروع کی ہے جسے جامعہ فاروقیہ کے فاضل اور تخصص فی الفقہ کے طالب علم مولوی شمس الحق کشمیری ضبط کررہے ہیں، اب تک دو ڈھائی سو صفحات ہو چکے ہیں اور یوں خود حضرت کی زبان سے ان کی زندگی کی سرگزشت مرتب ہو رہی ہے، اس سرگزشت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت نے بغیر تصنع وتکلف کے زندگی کے واقعات کو ہو بہو بیان کردیا ہے، بڑے لوگوں کی سوانح پر لکھی جانے والی کتابوں میں عموماً ایک کمی یہ پائی جاتی ہے کہ وہ بچپن ہی سے طبعی زندگی سے ماوراء منفرد دکھائے جانے لگتے ہیں، سوانح نگار غالباً عقیدت کی بنیاد پر ایسا کرتے ہیں لیکن اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والا قاری ان کو فطری تقاضوں، طبعی زندگی کی الجھنوں اور گردش لیل ونہار کی ہمہ گیر جکڑ بندیوں سے آزاد دیکھ کر یہ تاثر لے لیتا ہے کہ جو جھمیلے والی زندگی میں گزار رہا ہوں اس میں ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا ممکن نہیں، وہ ان کی سوانح کو قابل رشک تو سمجھ لیتا ہے، قابل تقلید نہیں............ لیکن حضرت نے اپنی اس آپ بیتی میں طبعی زندگی کے واقعات کو بغیر کسی آمیزش کے ذکر کردیا ہے۔ سوانح یا آپ بیتی کا فی الحال یہ نام اس ناکارہ نے علامہ اقبال کے اس مشہور شعر سے اخذ کیا ہے۔

میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ   میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

(مدیر)]

حکیم ننومیاں: میرے پاکستان آنے تک اور اس کے بعد بھی قاری صاحب مفتاح العلوم جلال آباد میں رہے، پھر وہ دِلی چلے گئے تھے، اس چندے کی وصول یابی کے سفر میں مولانا عبدالرشید محمود عرف ''حکیم ننومیاں'' سے بھی ملاقات ہوئی، یہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے پوتے تھے، حاذق طبیب اور جید عالم تھے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مجاز صحبت تھے، مگر اس زمانے میں ان پر مودودیت کا غلبہ تھا اور ہمیں بھی انہوں نے مودودیت اختیار کرنے کی دعوت دی تھی، جو ظاہر ہے

ہمارے لئے قابل قبول نہیں تھی، لیکن ادب واحترام کی خاطر ہم نے ان سے بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا بعد میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر مودودیت کی حقیقت واضح فرمائی اور پھر اپنے مقالات اور تقریروں میں انہوں نے اس کارد کیا، ان کی تحریریں بھی جاندار ہوتی تھیں اور تقریر بھی پُر تاثیر ہوتی تھی۔ ان کے ایک صاحبزادے یہاں کراچی میں وکالت کیا کرتے ہیں کامیاب وکیل ہیں اور مسلک دیوبند سے تعلق رکھنے والوں پر خصوصی شفقت فرماتے ہیں۔

کتب کی خریداری: رمضان المبارک کے بعد ہم دیوبند گئے اور ساڑھے سات ہزار کی کتابیں مفتاح العلوم کے لئے ہم نے خریدیں۔ بہت کتابیں کتب خانے کے لئے فراہم ہوگئیں۔ جب کہ وہاں کتب خانہ نام کی کوئی چیز نہ تھی، چند کتابیں تھیں جن سے الماری کا ایک خانہ بھی نہ بھرتا تھا، صاحب استطاعت طالب علم اپنی کتاب خود خریدتے تھے۔ اس زمانے میں کتابیں بہت سستی تھیں، قدیمی کتب خانے کی جلالین شریف، دو روپے میں آتی تھی اسی سے اندازہ کرلیا جائے کہ ساڑھے سات ہزار روپے میں کتنی کتابیں آئی ہوں گی۔

زیر درس کتب: جب اسباق شروع ہوئے تو ''مقامات حریری''، ''حسامی''، ''سلم العلوم'' کا سبق مجھ سے متعلق ہوا اور ''مختصر المعانی'' اور ''میبذی'' کا سبق مولوی رفیق احمد سے متعلق ہوا اور ہدایہ اولین کے سبق کو حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جو ہمارے استاد بھی تھے، اور مدرسے کے مہتمم بھی، انہوں نے اپنے پاس رکھا، اہم اسباق تو یہی تھے اور باقی کچھ چھوٹے اسباق بھی تھے جو ہم دونوں سے متعلق ہوئے، بڑی جماعت ''حسامی'' اور ''مختصر المعانی'' کی تھی اور اس میں وہی طلباء شریک تھے جو ایک سال پہلے میرے پاس ''کنز'' اور ''اصول الشاشی'' وغیرہ پڑھ چکے تھے، ان میں کچھ نئے طلباء بھی شامل ہوگئے تھے۔

ایک روح فرساں واقعہ: حضرت مولانا نماز فجر کے بعد ''منّی والی مسجد'' میں قرآن کریم کا درس دیا کرتے تھے اور اس میں طلباء بھی شریک ہوتے تھے، درس طویل ہوجایا کرتا تھا۔ مدرسے کے پہلے گھنٹے کا کچھ حصہ بھی اس درس میں شامل ہوجاتا تھا۔ حضرت نے میرا ''حسامی'' کا سبق پہلے گھنٹے میں تجویز فرمایا، میں نے عرض کیا کہ حضرت پہلے گھنٹے کے بجائے میرا یہ سبق کسی دوسرے گھنٹے میں رکھ دیا جائے، چونکہ درس قرآن کی وجہ سے طلباء وقت پر نہیں پہنچ سکیں گے، لیکن حضرت نے اس کو قبول نہیں کیا چنانچہ پہلے دن جب سبق شروع ہوا تو میں گھنٹہ شروع ہونے کے ساتھ درسگاہ میں پہنچ گیا اور طالب علم بیس منٹ کی تاخیر سے پہنچے، میں نے ان کو درسگاہ میں داخل ہونے سے روک دیا، مولانا درس قرآن کے بعد گھر تشریف لے گئے اور ناشتہ کرکے خلاف عادت مدرسے میں آئے، میں درسگاہ میں بیٹھا ہوا تھا، مجھ سے فرمایا کہ سبق نہیں پڑھایا؟ میں نے عرض کیا کہ طلباء بیس منٹ کی تاخیر سے آئے تھے اس لئے میں نے سبق نہیں پڑھایا، مولانا ناراض ہوگئے اور اس ناراضگی میں انہوں نے قرآن کریم کا درس بھی موقوف کردیا اور ہدایہ اولین کا سبق پڑھانے سے بھی انکار کردیا، میں نے بہت خوش آمدکی اور عرض کیا کہ حضرت یہ تو کوئی ایسا مشکل مسئلہ نہیں ہے آپ درس قرآن کو بھی جاری رکھیں، ہدایہ اولین بھی پڑھائیں، میرا سبق پہلے گھنٹے

کے بجائے دوسرے گھنٹے میں منتقل کردیں، اس میں کیا اشکال ہے یا کیا دشواری ہے، مگر وہ اپنی رائے پر قائم رہے اور میں یہ کہتا رہا کہ یہ تو طریقہ نہیں ہے کہ کبھی طالب علم بیس منٹ کی تاخیر سے آئیں گے جیسا کہ آج ہوا اور کبھی اس سے زیادہ تاخیر بھی ہوسکتی ہے، تو حسامی کے لئے پہلا گھنٹہ تجویز کرنا ایک بے معنی سی بات ہوگی، اور میرے لئے مستقل کوفت کا باعث بنی رہے گی، یہ مفتاح العلوم کی تدریس کے پہلے دن کا روح فرساں حادثہ تھا۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔

طلباء کا اخراج اور اس کی وجہ: جب اسباق شروع ہوئے تو شرکاء میں کچھ تو وہی طلباء تھے جو ایک سال قبل میرے پاس پڑھ چکے تھے اور کچھ دوسرے طلباء وہ تھے جن کا داخلہ سال گزشتہ میں ہوا تھا، ان میں سے ایک کے سوا باقی چار پانچ مہمل تھے، میں نے مولانا سے عرض کیا کہ یہ طلباء نہ عبارت پڑھنے پر قادر ہیں اور نہ کچھ سمجھتے ہیں، اس لئے ان کو فارغ کیا جائے، یہ اس لائق بھی نہیں تھے کہ ان کو پچھلے درجے میں منتقل کیا جائے، اس لئے ان کا اخراج ہونا چاہیے، مولانا فرماتے تھے کہ ان کو رہنے دیا جائے، اخراج مناسب نہیں اگر ان کا اخراج ہوا تو یہ بالکل محروم رہیں گے اور اگر اس جماعت میں ان کو شامل رکھا جائے تو اگرچہ یہ کتاب نہیں سمجھتے لیکن یہ پھر بھی فائدے سے خالی نہیں ہے، میں نے عرض کیا کہ ایسا کرلیتے ہیں کہ ان کتابوں میں سے آپ کوئی کتاب متعین کردیں وہ ہم ان کو دیں گے اور کہیں گے کہ کہیں سے بھی آپ کوئی عبارت لکھیں، اس پر اعراب لگائیں، ترجمہ کریں اور مطلب لکھیں اگر یہ صحیح اعراب لگادیتے ہیں یا اس عبارت کا ترجمہ لکھ دیتے ہیں، تب بھی یہ قبول کرلئے جائیں گے، مولانا اس پر راضی ہوگئے اور جب ان کا امتحان لیا گیا تو نہ وہ صحیح اعراب لگاسکے اور نہ ترجمہ لکھ سکے۔ چنانچہ ان کا اخراج کردیا گیا۔

والد صاحب کا طب کی تعلیم پر اصرار: ''مفتاح العلوم'' میں تدریس کا عمل والد صاحب کو کسی طرح منظور نہیں تھا۔ ان کا اصرار تھا کہ ہم لکھنو جاکر طب کی تعلیم حاصل کریں۔ ان کے اسی نقطۂ نظر کی بنیاد پر میں نے دارالعلوم دیوبند میں طب کی بعض کتابیں پڑھی تھیں، میری درخواست یہ تھی کہ آپ مجھے تدریس کرنے دیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ دیا ہے لہٰذا آپ مجھے اللہ کے دین کی خدمت کے لئے وقف کردیں، اگر آپ غریب اور مفلس ہوتے تو میں مزدوری کرکے بھی آپ کی خدمت کرتا۔ والد صاحب کا جواب یہ ہوتا تھا کہ طب کی تعلیم کی رائے میں تمہارے فائدے کی غرض سے دے رہا ہوں، اس میں میرا اپنا مفاد نہیں ہے، جمعرات کے دن جب ہم جلال آباد سے گھر آیا کرتے تھے اور مغرب کے بعد والد صاحب کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتے تھے تو اس وقت ہماری یہ گفتگو ہوا کرتی تھی، والد صاحب ایک تو ہم سے محبت بے حد کرتے تھے اور اسی لئے مہربان بہت تھے ان کے ادب کے ساتھ دل کی بات کرنے میں تکلف نہیں تھا، کھانا کھاتے ہوئے والدہ صاحبہ بھی موجود ہوتی تھیں، وہ فرماتی تھیں کہ اگر تم طب پڑھنے کے لئے تیار نہیں ہو تو انگریزی پڑھ لو، ان کے بھائی انگریزی ہی پڑھے ہوئے تھے، ایک نے ان میں سے درس نظامی کی مکمل تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کرنے کے بعد انگریزی پڑھی تھی، ایک نے قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد انگریزی پڑھی تھی، اور ایک

نے جامعہ ازہر مصر میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد انگریزی پڑھی تھی۔

اگر تم ملا بن گئے تو گزارہ کیسے ہوگا؟: میں نے بھی فارسی کے زمانہ میں منشی اللہ بندے صاحب کے پاس بعد مغرب ایک دو کتابیں انگریزی کی پڑھی تھیں مگر اِس وقت میں نہ طب کے لئے تیار تھا اور نہ انگریزی کے لئے۔ والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ تم دیکھتے نہیں ہو، یہاں دودھ کی اور شہد کی نہریں جاری ہیں، اگر تم ملا بنو گے تو تمہارا گزارہ کیسے ہوگا اور اس صورت میں تو تمہاری شادی بھی نہیں ہوگی۔ میرا جواب ہوتا تھا کہ آپ ان چیزوں کی فکر نہ کریں، اللہ تعالیٰ سب انتظام کردیں گے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم مدرسے میں پڑھاؤ گے تو تمہاری کتنی تنخواہ ہوگی؟ تو میں محض ان کو قائل کرنے کے لئے کہتا تھا کہ دوسو روپے میری تنخواہ ہوسکتی ہے، اس زمانے میں یہ بڑی تنخواہ تھی جس کی کوئی مثال میرے علم میں بھی نہ تھی، مگر والد صاحب فرماتے دوسو روپے میں کیا ہوگا، ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب وہ دوائیں لینے کے لئے دلی جایا کرتے تھے تو ایک بڑا بکس جوتوں سے بھرا ہوا لایا کرتے تھے، کبھی گھر میں کسی کے پاؤں میں ایک بھی فٹ نہیں آتا تھا اور کبھی دو تین کسی ایک پاؤں میں فٹ ہوتے تھے اسی پر دوسرے اخراجات کو قیاس کرلیا جائے تو میں کہتا کہ آپ کا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، یہاں بازار میں دو روپے کا جوتا اچھا خاصا مل جاتا ہے اور آرام سے چھ مہینے تک چلتا ہے اس طرح دو جوڑے کپڑے چھ مہینے کے لئے کفایت کرجاتے ہیں، زیادہ فضول خرچی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ آدمی خرچ سوچ سمجھ کر کرے تو دوسو روپیہ بہت ہیں۔

گھر والوں کی طرف سے بائیکاٹ: مگر وہ کسی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے، نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے فرمایا کہ ٹھیک ہے آپ جو مرضی ہو کریں، ہمارا جتنا سامان تمہارے پاس ہے وہ واپس کردیں، چنانچہ بستر اور کچھ دوسری چیزیں جو میرے پاس تھیں، وہ میں نے واپس کردیں یہ سمجھتے ہوئے کہ میرے گھر کے حالات فراخی اور خوش حالی کے ہیں، میں نے مولانا سے بغیر تنخواہ کے تدریس کا عمل کرنے کے لئے کہا تھا، مگر جب گھر والوں کا یہ رویہ سامنے آیا تو تنگی پیش آئی، کھانا تو میں مدرسے سے لے لیا کرتا تھا لیکن دوسری چھوٹی موٹی ضروریات کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا، میرے ہم سبق مولانا فضل ہادی پشاوری، بنارس شیخ الحدیث بن کر گئے تھے، ان کا پتہ میرے پاس تھا اور ان سے بے تکلفی اور دوستی تھی، تو میں نے ان کو خط لکھا کہ آپ تیس روپے بھیج دیں، مجھے تشویش یہ تھی کہ منی آرڈر آئے گا اور وہ پہلے مولانا کے پاس جائے گا تو مولانا مجھ سے پوچھیں گے کہ یہ پیسے کیسے ہیں؟ میرا اور گھر والوں کا جو قضیہ اس تنگی کا سبب بنا تھا وہ میں نے مولانا کو نہیں بتایا تھا۔ مولانا فضل ہادی کو اللہ جزائے خیر عطا فرمائیں انہوں نے منی آڈر کی رسید پر یہ لکھا کہ "آپ کے تیس روپے بھیج رہا ہوں، وصول فرما کر شکریہ کا موقع دیں"۔ اس رسید کو پڑھ کر میری تشویش دور ہوئی۔

حملے کا خطرہ اور جائے پناہ: پاکستان نیا نیا بنا تھا، افراتفری مچی ہوئی تھی، لوگ ترک وطن کرکے پاکستان جارہے تھے، ادھر ہندوؤں نے مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا، مدرسہ مفتاح العلوم آبادی کے کنارے پر تھا، اور اس طرح کی خبریں گشت کرتی رہتی تھیں کہ جلال آباد پر حملہ ہونے والا ہے، اس لئے طلباء رات کو مولانا کے مکان میں سہ دری

میں سویا کرتے تھے، یہ مکان بہت بڑا تھا اور مختلف حصوں پر مشتمل تھا، میں بھی طالب علموں کے ساتھ سویا کرتا تھا۔ سردی کا موسم جب آیا تو میں نے کسیر کا بستر بنایا، سردی کے زمانے میں دیہات میں لوگ مسجدوں کے اندر بھی کسیر بچھایا کرتے ہیں، یہ گرم ہوتی ہے، اوپر کوئی طالب علم اپنی چادر ڈال دیا کرتا تھا، رات میں سردی کی تکلیف سے دوچار ہونا پڑتا تھا، چونکہ گھر والوں نے بستر، لحاف، کمبل واپس لے لیا تھا۔

مدرسہ سے استعفیٰ اور حضرت الاستاد کی شفقت: مدرسے کا نظام چونکہ ناہموار تھا، کئی امور میں اصلاح کی ضرورت محسوس ہوتی تھی، حضرت مولانا کو میری تجویز قبول کرنے میں پس و پیش ہوتا تھا تو میں استعفیٰ دے کر گھر چلا جاتا تھا، مولانا ہمارے گھر تشریف لاتے تھے اور والدہ صاحبہ سے فرماتے تھے کہ اس کو جلال آباد واپس جانے کے لئے آمادہ کریں، پہلے سال میں دو یا تین مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا اور پھر مولانا نے مدرسہ مفتاح العلوم کے جملہ امور کو احقر کی رائے کے مطابق چلانے کا فیصلہ کر دیا، اور کئی مرتبہ مجلس میں اس کا ذکر فرمایا کہ مجھے اس امر کا پورا یقین ہے کہ مولوی سلیم اللہ خان کی اپنی کوئی ذاتی غرض یا نام ونمود کی خواہش یا اقتدار و اختیار پر قابض ہونا مقصود نہیں، صرف اصلاحِ احوال اور مدرسے کی ترقی ان کو مطلوب ہے۔

ایک ناخوشگوار واقعہ: سال کے اختتام پر ایک نہایت ناخوشگوار واقعہ یہ پیش آیا کہ وہ طلباء جو حسامی، مختصر المعانی وغیرہ پڑھ رہے تھے، انہوں نے اپنے آئندہ سال دار العلوم دیوبند جانے کا ارادہ ظاہر کیا جب کہ ہمارا خیال یہ تھا اور مولانا کا خیال اور مولوی رفیق احمد صاحب کا خیال بھی کہ یہ مفتاح العلوم میں رہ کر آئندہ سال پڑھیں، یہاں میرے پاس "حسامی" کے بعد جو سہ ماہی امتحان پر ختم ہوگئی تھی۔ مسلم الثبوت کا سبق ہوا، سلم العلوم کے بعد "ملاحسن" اور "مقاماتِ حریری" کے ساتھ سبع معلقات کا سبق بھی ہوا تھا، اسباق میں نہ صرف یہ کہ ان طالب علموں کو کوئی شکایت نہیں تھی بلکہ نہایت ذوق وشوق کے ساتھ یہ پڑھ رہے تھے، ان کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ رجب میں جب اسباق مکمل ہو چکے تھے اور صرف سالانہ امتحان کا مرحلہ باقی تھا، ان کا اخراج کر دیا گیا، ایک طالب علم البتہ آئندہ سال مفتاح العلوم میں پڑھنے کے لئے راضی تھے، ان کا اخراج نہیں ہوا، اس وقت تک ناتجربہ کاری کی وجہ سے یہ فیصلہ کیا گیا مگر بعد میں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ طالب علم جو مفتاح العلوم میں پڑھنے کے لئے تیار تھے، آئندہ سال ان کو بھی دیوبند داخل کر دیا گیا۔ مُخرج طلباء میں مولوی صمصام اللہ خان صاحب پاکستان منتقل ہوگئے۔ ان کے بھائی فوج میں ملازم تھے، اور فوجی حضرات اپنے اہل خاندان کو پاکستان لے جارہے تھے، مولوی صمصام اللہ خان صاحب راولپنڈی جاکر مقیم ہوئے اور دار العلوم تعلیم القرآن راجہ بازار میں انہوں نے تکمیل کی، استعداد بہت عمدہ تھی، حافظ اور قاری بھی تھے تو وہ مولانا غلام اللہ خان صاحب کے یہاں قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے، مولوی صمصام اللہ خان صاحب کا بیان ہے کہ راولپنڈی کے زمانۂ قیام میں دو مرتبہ میں نے دیوبند آکر داخل ہونے کی کوشش کی لیکن سی آئی ڈی نے ان کو گرفتار کر لیا اور بمشکل تمام یہ رہائی پا کر واپس راولپنڈی آگئے اور دار العلوم میں ان کا قیام رہا، نہ داخلہ ہوا۔☆......☆

(جاری ہے......